

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ  
 عَلَيْهِ الْكِتَابُ

# امام الزمان

اَوَّلُ

## اسکی علامات

ملخص از ضروریات الامام

مؤلفہ محترمہ راغلام احمد رضا <sup>قادیانی</sup> مسیح الزمان ہمدنی و کران

جس

شعبہ تبلیغ پاکستان احمدیہ اشاعت اسلام لاہور نے

پیش کیا ہے یہ کتاب کا حق میں طبع کرنا شائع کیا



# ضیوۃ الامام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

اما بعد واضح ہو کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بد بختی

حد ثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا اسود بن عامرانا ابو بکر  
عن عاصم عن ابی صالح عن معاوية قال قال رسول الله  
صلی اللہ علیہ وسلم من مات بغير امام فقد مات ميتة جاهلية  
رواہ ابن ماجہ (مسند احمد واخرجه احمد والترمذی ابن خزيمة  
وابن حبان صححه من حدیث الحارث الاشعری بلفظ من مات وليس علیہ  
امام جملة فان موته ميتة جاهلية۔ ورواہ الحاكم من حدیث ابن عمر  
من حدیث معاوية ورواہ البزار من حدیث ابن عباس۔ منه



یا ہر نہیں۔ سو بموجب اس نبوی وصیت کے ضروری ہوا کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ ہر ایک شخص جس کو کوئی خواب سچی آوے یا امام کا دروازہ اس پر کھلا ہو وہ اس نام سے موسوم ہو سکتا ہے۔ بلکہ امام کی حقیقت کوئی اور امر جامع اور حالت کاملہ تامہ ہے جس کی وجہ سے آسمان پر اس کا نام امام ہے اور اور یہ تو ظاہر ہے کہ صرف تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے کوئی شخص امام نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا**۔ پس اگر ہر ایک متقی امام ہے تو پھر تمام مومن متقی امام ہی ہوئے۔ اور یہ امر منشاء آیت کے برخلاف ہے۔ اور ایسا ہی بموجب نص قرآن کریم کے ہر ایک ملہم اور صاحب رؤیا صادق امام نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں عام مومنین کے لئے یہ بشارت ہے **لَهُمُ الْبَشَرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا**۔ یعنی دنیا کی زندگی میں مومنین کو یہ نعمت ملے گی کہ اکثر سچی خوابیں انہیں آیا کریں گی یا سچے امام ان کو ہوا کریں گے۔

پھر قرآن شریف میں ایک دوسرے مقام میں ہے **إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفْأَمُوا تَنْزِيلَ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَا تَتَخَفُوا وَلَا تَعۡزَنُوا**۔ یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں فرشتے ان کو بشارت کے الہامات سنانے رہتے ہیں اور ان کو تسلی دیتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ الہام تسلی دی گئی لیکن قرآن ظاہر کر رہا ہے کہ اس قسم کے الہامات یا خوابیں عام مومنوں کے لئے ایک روحانی نعمت ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ہوں۔ اور ان الہامات کے پانے سے وہ لوگ امام وقت سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اور اکثر یہ الہامات ان کے ذاتیات کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور علوم کا افادہ



ان کے ذریعہ سے نہیں ہوتا اور نہ کسی عظیم الشان توحیدی کے لائق ہوتے ہیں۔ اور بہت سے بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض وقت ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور جب تک امام کی دستگیری افاغندہ علوم نہ کرے تب تک ہرگز ہرگز خطرات سے امن نہیں ہوتا۔ اس امر کی شہادت صدر اسلام میں ہی موجود ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو قرآن شریف کا کاتب تھا اسکو بسا اوقات نور نبوت کے قرب کی وجہ سے قرآنی آیت کا اس وقت میں الہام ہو جاتا تھا جبکہ امام یعنی نبی علیہ السلام وہ آیت لکھواتا چاہتے تھے۔ ایک دن اس نے خیال کیا کہ مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا فرق ہے مجھے بھی الہام ہوتا ہے۔ اس خیال سے وہ ہلاک کیا گیا۔ اور لکھا ہے کہ قبر نے بھی اسکو باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ بلعم ہلاک کیا گیا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا انہوں نے اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھا۔ اور امامت حقہ جو آسمان کے خدا نے زمین پر قائم کی تھی۔ اس کا شریک بننا نہ چاہا۔ بلکہ ادنیٰ چاکر اور غلام اپنے تئیں قرار دیا۔ اس لئے خدا کے فضل نے ان کو نائب امامت حقہ بنا دیا۔

اور اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ اس نے ایسی مسکینی اختیار کی کہ آفتاب نبوت اور امامت کے سامنے آنا بھی سوء ادب خیال کیا۔ سیدنا حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار مین کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اَجِدُ رِیْحَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ یعنی مجھے مین کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اویس رضی اللہ عنہ میں خدا کا نور اتر رہا ہے۔

مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ امامت حقہ کی ضرورت کو نہیں سمجھتے۔ اور ایک سچی خواب آنے سے یا چند الہامی نعروں سے خیال کر لیتے ہیں کہ ہمیں امام الزمان کی حاجت نہیں۔ کیا ہم کچھ کم ہیں۔ اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ایسا خیال سراسر



معصیت ہے۔ کیونکہ جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام الزمان کی ضرورت ہر ایک  
صدی کے لئے قائم کی ہے اور صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالیٰ  
کی طرف آئیگا کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ اندھا آٹھے گا۔ اور  
جاہلیت کی موت پر مرے گا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملہم یا خواب میں کیا استثناء  
نہیں کیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ملہم ہو یا خواب میں ہو۔ اگر وہ  
امام الزمان کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے تو اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ کیونکہ بلا ہر ہے  
مگر اس حدیث کے مخاطب تمام مومنین اور مسلمان ہیں۔ اور ان میں ہر ایک زمانہ میں  
ہزاروں خواب میں اور ملہم بھی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ امت محمدیہ میں  
کئی کروڑ ایسے بندے ہوں گے جن کو الہام ہوتا ہوگا۔

پھر ماسوا اس کے حدیث اور قرآن سے یہ ثابت ہے کہ امام الزمان کے وقت  
میں اگر کسی کو کوئی بھی خواب یا الہام ہوتا ہے تو وہ درحقیقت امام الزمان کے نور  
کا ہی پرتوہ ہوتا ہے جو متعدد دلوں پر پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب دنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے تو ہزار ہا انوار اس کے  
ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک عورت انیساطی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انتشار  
رُوحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔ پس جو شخص الہام کی  
استعداد رکھتا ہے اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فکر اور غور کے  
ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبیر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ  
کیا جاتا ہے۔ اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اس کو تعبہ اور پرستش میں لذت  
عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال  
اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار روحانیت



کامیاب ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے اور یہ ایک عام قانون اور سنت الہی سے جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا۔ اور ذاتی تجارب نے اس کا مشاہدہ کرایا ہے۔ مگر مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے کبھی بڑھ کر ایک خصوصیت ہے۔ اور وہ یہ کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی امام شروع ہو جائیگا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے اور ملو ام الناس روح القدس سے بولیں گے۔ اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پر توہ ہو گا۔ جیسا کہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو دیوار منور ہو جاتی ہے اور اگر چونہ اور قلعی سے سفید کی گئی ہو تو پھر تو اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ اور اگر اس میں آئینے نصب کئے گئے ہوں تو ان کی روشنی اس قدر بڑھتی ہے کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی مگر دیوار دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ ذاتی ظہور پر مجھ میں ہے کیونکہ سورج کے مغرب کے بعد پھر اس روشنی کا نام و نشان نہیں رہتا۔

پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انعکاس ہوتا ہے اور اگر کوئی قسمت کا پھیر نہ ہو اور خدا کی طرف سے کوئی ابتلا نہ ہو تو سعید انسان جلد اس دقیقہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اور خدا نخواستہ اگر کوئی اس الہی راز کو نہ سمجھے اور امام الزمان کے ظہور کی خبر سن کر اس سے تعلق نہ پکڑے تو پھر اولیٰ ایسا شخص امام سے استغناء ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر استغناء سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اجنبیت سے سیر وطن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر سیر وطن سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر عداوت سے نعرہ یا شد سلب ایمان تک فزیت پہنچتی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب ملہم اور اہل کشف تھے اور نبی آخر الزمان کے قرب ظہور کی بشارت سنایا کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے



امام الزمان کو جو خاتم الانبیاء تھے قبول نہ کیا تو خدا کے غضب کے واسطے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے تعلقات خدا تعالیٰ سے بکلی ٹوٹ گئے۔ اور جو کچھ ان کے بارہ میں قرآن شریف میں لکھا گیا اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے حق میں قرآن شریف میں فرمایا گیا **وَكَا نُوَا یَسْتَفِیْ حُوْنٌ مِّنْ قَبْلِ**۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے نصرت دین کے لئے مدد مانگا کرتے تھے۔ اور ان کو امام اور کشف ہوتا تھا۔

اگرچہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی خدا تعالیٰ کی نظر سے گر گئے تھے۔ لیکن جب عیسائی مذہب جو وہ مخلوق پرستی کے مرگیا۔ اور اس میں حقیقت اور نورانیت نہ رہی تو اس وقت کے یہود اس گناہ سے بری ہو گئے کہ وہ عیسائی کیوں نہیں ہوتے۔ تب ان میں دوبارہ نورانیت پیدا ہوئی۔ اور اکثر ان میں سے صاحب امام اور صاحب کشف پیدا ہونے لگے۔ اور ان کے راہبوں میں اچھے اچھے علماء کے لوگ تھے۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کا امام پاتے تھے کہ نبی آخر زمان اور امام دوران جلد پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے بعض ربانی علماء خدا تعالیٰ سے امام پاکر ملک عرب میں آ رہے تھے۔ اور ان کے بچے بچے کو خبر تھی کہ عنقریب آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جائے گا۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں کہ **یَعْرِفُوْنَهُ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هَٰٓٔم**۔ یعنی اس نبی کو وہ ایسی صفائی سے پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بچوں کو۔

مگر جبکہ وہ نبی موعود اس پر خدا کا سلام ظاہر ہو گیا تب خود بینی اور تعصب نے اکثر راہبوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے دل سیاہ ہو گئے۔ مگر بعض سعادت مند مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا ہوا۔

پس یہ ڈرنے کا مقام ہے۔ اور سخت ڈرنے کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کسی



نومن کی بدعہم کی طرح بد عاقبت نہ کرے۔ الہی! تو اس امت کو فتنوں سے بچا۔ اور  
یہودیوں کی نظیر میں ان سے ڈور رکھ۔ آمین۔ ثنم آمین۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے قبائل اور قومیں اس غرض  
سے بنائیں کہ تا اس جسمانی تمدن کا ایک نظام قائم ہو۔ اور بعض کے بعض سے رشتے  
اور تعلقات ہو کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون ہو جائیں۔ اسی غرض سے اس  
نے سلسلہ نبوت اور امامت قائم کیا ہے کہ تا امت محمدیہ میں روحانی تعلقات پیدا  
ہو جائیں اور بعض بعض کے شفیق ہوں۔

اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی  
علامات کیا ہیں؟ اور اس کو دوسرے مظلوموں اور خواہ اب بیٹوں اور اہل کشف  
پر ترجیح کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس شخص کی  
روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ مستوی ہو کر اس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی  
روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سائے جہان کی معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک لنگ  
میں مباحثہ کر کے ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق درویشی و عترت  
کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اس کی  
فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان بیکر اس مسافر خانہ میں آئی ہے۔ اس لئے  
اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا وہ روحانی طور پر محمدی  
فیجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ  
پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔ اور وہ تمام لوگ جو اس کے جھنڈے کے نیچے آتے  
ہیں ان کو بھی اعلیٰ درجہ کے قویٰ بنختے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام شرائط جو اصلاح  
کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور وہ تمام علوم جو اعتراضات کے اٹھانے اور



اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کو عطا کئے جاتے ہیں اور بایں ہمہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو دنیا کے بے ادبوں اور بد زبانوں سے بھی مقابلہ پڑے گا اس لئے اخلاقی قوت بھی اعلیٰ درجہ کی اس کو عطا کی جاتی ہے۔ اور بنی نوع کی سچی ہمدردی اس کے دل میں ہوتی ہے۔

اور اخلاقی قوت سے یہ مراد نہیں کہ ہر جگہ وہ خود بخود نوحہ نری کرتا ہے کیونکہ یہ تو اخلاقی حکمت کے اصول کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح تنگ ظرف آدمی دشمن اور بے ادب کی باتوں سے جل کر اور کباب ہو کر جلد مزاج میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے چہرہ پر اس عذاب الیم کے جس کا نام غضب ہر نہایت مکر و دھوکہ پر آشکار ظاہر ہو جاتے ہیں اور طیش اور اشتعال کی باتیں بے اختیار اور بے محل منہ سے نکلتی چلی جاتی ہیں یہ حالت اہل اخلاق میں نہیں ہوتی۔ ہاں وقت اور محل کی مصلحت سے کبھی معالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں لیکن اس استعمال کے وقت نہ ان کا دل جلتا نہ طیش کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ نہ منہ پر جھاگ آتی ہے۔ ہاں کبھی بناوٹی غصہ رعب دکھلانے کے لئے ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور دل آرام اور انبساط اور سرور میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخالفین کے حق میں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ سور کتہ۔ بے ایمان۔ بدکار۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ خود یا اللہ آپ اخلاق فاضلہ سے بے بہرہ تھے۔ کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھلاتے اور ترمی کی تاکید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے منہ پر جاری رہتے تھے یہ غصہ کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپان کئے جاتے تھے۔



غرض اخلاقی حالت میں یہ کمال رکھنا اماموں کے لئے لازمی ہے۔ اور اگر کوئی سخت لفظ سوختہ مزاجی اور مجنونانہ طیش سے نہ ہو اور عین محسن پر چسپاں اور عند الضرورت ہو تو وہ اخلاقی حالت کے منافی نہیں ہے۔

اور یہ بات بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جن کو خدا تعالیٰ کا ہاتھ امام بناتا ہے۔ ان کی فطرت میں ہی امامت کی قوت رکھی جاتی ہے۔ اور جس طرح الہی فطرت نے بموجب آیت کریمہ **أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ** ہر ایک چوند اور پرند میں پہلے سے وہ قوت رکھ دی ہے۔ جس کے بارہ میں خدا تعالیٰ کے

علم میں یہ تھا کہ اس قوت سے اس کو کام لینا پڑے گا۔ اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ ہے کہ ان سے امامت کا کیا کام لیا جاوے گا۔ منصب امامت کے مناسب حال کئی روحانی ملکہ پہلے سے رکھے جاتے ہیں۔ اور جن بیاقتوں کی آئندہ ضرورت پڑے گی ان تمام بیاقتوں

کا بیج ان کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ اماموں میں بنی نوع کے فائدے اور فیض رسانی کے لئے مندرجہ ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔

**اول۔** قوت اخلاق۔ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے ادبашوں اور سفلوں

اور بد زبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے ان میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے تا ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو۔ اور لوگ ان کے فیض سے محروم نہ رہیں۔

یہ نہایت قابل شرم بات ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرہ بھی متحمل نہ ہو سکے۔ اور جو امام زمان کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے۔ آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں وہ کسی طرح امام زمان نہیں ہو سکتا



لہذا اس پر آیت اُنْكَ لَعَلَّ خُلُقٌ عَظِيمٌ کا پورے طور پر صادق آجاتا  
ضروری ہے۔

**دوم قوت امامت** ہے جس کی وجہ سے اس کا نام امام رکھا گیا ہے  
یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الہی معارف اور محبت الہی میں آگے  
بڑھنے کا شوق یعنی روح اس کی کسی نقصان کو پسند نہ کرے اور کسی حالت ناقصہ  
پر راضی نہ ہو۔ اور اس بات سے اس کو درد پہنچے اور دکھ میں پڑے کہ وہ  
ترقی سے روکا جائے۔ یہ ایک فطرتی قوت ہے جو امام میں ہوتی ہے۔ اور  
اگر یہ اتفاق بھی پیش نہ آدے کہ لوگ اس کے علوم اور معارف کی پیروی  
کریں اور اس کے نور کے پیچھے چلیں تب بھی وہ بلحاظ اپنی فطرتی قوت کے  
امام ہے۔

غرض یہ دقیقہ معرفت یہ درکھنے کے لائق ہے کہ امامت ایک قوت ہے  
کہ اس شخص کے جو ہر قطرات میں رکھی جاتی ہے کہ جو اس کو کم کے لئے ارادۃ الہی  
میں ہوتا ہے۔ اور اگر امامت کے لفظ کا ترجمہ کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ **قوت**  
**پیش روی**۔

غرض یہ کوئی عارضی منصب نہیں جو پیچھے سے لگ جاتا ہے بلکہ جس طرح  
دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے اسی طرح یہ آگے  
بڑھنے اور الہی امور میں سب سے اول درجہ پر رہنے کی قوت ہے۔ اور  
انہی معنیوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

**تیسری قوت** بسطت فی العلم ہے جو امامت کے لئے ضروری اور  
اس کا خاصہ لازمی ہے۔ چونکہ امامت کا مفہوم تمام حقائق اور معارف اور  
لیا زم محبت اور صدق اور وفا میں آگے بڑھنے کو چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے



تمام دوسرے قوی کو اسی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ اور ذیبتِ رزقِ عِلْمًا کی دعا میں ہر دم مشغول رہتا ہے۔ اور پہلے سے اس کے مدارک اور جو اس ان امور کے لئے جو ہر قابل ہوتے ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے علومِ الہیہ میں اس کو بسطتِ عطا کی جاتی ہے۔ اور اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالاتِ افاغہ اور اتمامِ حجت میں اس کے برابر ہو۔ اس کی رائے صاحبِ دوسروں کے علوم کی تصحیح کرتی ہے۔ اور اگر دینی حقائق کے بیان میں کسی کی رائے اس کی رائے کے مخالف ہو تو حق اس کی طرف ہوتا ہے کیونکہ علومِ حقہ کے جاننے میں نورِ فرست اس کی مدد کرتا ہے۔ اور وہ نور ان چمکتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دوسروں کو نہیں دیا جاتا۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ۔

پس جس طرح مرغی انڈوں کو اپنے پردوں کے نیچے لے کر ان کو نیچے بناتی ہے اور پھنچوں کو پردوں کے نیچے رکھ کر اپنے جوہر ان کے اندر پہنچا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ شخص اپنے علوم و روحانیہ سے صحبتِ یایوں کو علمی رنگ سے رنگین کرتا رہتا ہے۔ اور یقین اور معرفت میں بڑھاتا جاتا ہے۔ مگر دوسرے علموں اور زاہدوں کے لئے اس قسم کی بسطتِ علمی ضروری نہیں کیونکہ ذریعہ انسان کی تربیت علمی ان کے سبب نہیں کی جاتی۔ اور ایسے زاہدوں اور خواجہ بینوں میں اگر کچھ نقصانِ علم اور جہالت باقی ہے تو چنداں جائے اعتراض نہیں کیونکہ وہ کسی کشتی کے ملاح نہیں ہیں بلکہ خود ملاح کے محتاج ہیں۔ ہاں ان کو ان نشوونوں میں نہیں پڑنا چاہئے کہ ہم اس رُوحانی ملاح کی کچھ حاجت نہیں رکھتے۔ ہم خود ایسے اور ایسے ہیں۔ اور ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ضرور ان کو حاجت ہے جیسا کہ غیورست کو مرد کی حاجت ہے۔



خدا نے ہر ایک کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص امامت کیلئے  
 پیدا نہیں کیا گیا اگر وہ ایسا دعویٰ زبان پر لائے گا تو وہ لوگوں سے اسی طرح  
 اپنی ہنسی کرائیگا جیسا کہ ایک نادان ولی نے بادشاہ کے روبرو ہنسی کرائی  
 تھی۔ اور قصہ یوں ہے کہ کسی شہر میں ایک زاہد تھا جو تیک بخت اور مستحق توتھا  
 مگر علم سے بے بہرہ تھا اور بادشاہ کو اس پر اعتقاد تھا اور وزیر پوچھ اس کی  
 بے علمی کے اس کا معتقد نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وزیر اور بادشاہ دونوں اس  
 کے ملنے کے لئے گئے اور اس نے محض فضولی کی راہ سے اسلامی تاریخ میں داخل  
 دیکر بادشاہ کو کہا کہ اسکندر رومی بھی اس شہر میں بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ تب  
 وزیر کو نکتہ چینی کا موقع ملا اور فی الفور کہنے لگا کہ یہ کھٹے حصویر فقیر صاحب کو  
 علاوہ کمالات ولایت کے تاریخ دانی میں بھی بہت کچھ دخل ہے۔

سو امام الزمان کو مخالفوں اور عام سائلوں کے مقابل پر اس قدر المام کی  
 ضرورت نہیں جس قدر علمی قوت کی ضرورت ہے کیونکہ شریعت پر ہر ایک قسم  
 کے اعتراض کر نیوالے ہوتے ہیں۔ طبابت کے رد سے بھی۔ ہیئت کے رد  
 سے بھی۔ طبعی کے رد سے بھی۔ جغرافیہ کے رد سے بھی اور کتب مسئلہ اسلام کے  
 رد سے بھی۔ اور عقلی بنا پر بھی اور نقلی بنا پر بھی۔ اور امام الزمان حائمی بیغہ  
 اسلام کسلاتا ہے۔ اور اس باغ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے باغبان ٹھہرا جاتا  
 ہے۔ اور اس پر فرض ہوتا ہے کہ ہر ایک اعتراض کو دور کرے اور ہر ایک  
 معترض کا منہ بند کر دے۔ اور صرف یہ نہیں بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہوتا ہے  
 کہ نہ صرف اعتراضات دور کرے بلکہ اسلام کی خوبی اور خوبصورتی بھی دنیا  
 پر ظاہر کر دے۔ پس ایسا شخص نہایت قابل تعظیم اور کبریت احمد کا علم رکھتا ہے  
 کیونکہ اس کے وجود سے اسلام کی زندگی ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس قدر نفیر



اور تمام بندوں پر خدا تعالیٰ کی حجت ہوتا ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ اس سے جدائی اختیار کرے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور اذن سے اسلام کی عزت کا مٹتی اور تمام مسلمانوں کا ہمدرد اور کائنات دینیہ پر دائرہ کی طرح محیط ہوتا ہے۔ ہر ایک اسلام اور کفر کی کشتی گاہ میں وہی کام آتا ہے۔ اور اسی کے انفاس طیبہ کفر کشت ہوتے ہیں۔ وہ بطور کل کے اور باقی سب اس کے جز ہوتے ہیں۔

اوچوکل و توچو حسری نے کلی  
تو ہلاک استی گرا زوے بگلی

**چوٹھی قوت عزم** ہے جو امام الزمان کے لئے ضروری ہے اور عزم سے مراد یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ ناامید ہونا اور نہ ارادہ میں شست ہو جانا۔

بسا اوقات نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو جو امام الزمان ہوتے ہیں ایسے ابتلا و پیش آجاتے ہیں کہ وہ بظاہر ایسے مصائب میں پھنس جاتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور بسا اوقات ان کی وحی اور امام میں فترت واقع ہو جاتی ہے کہ ایک ہدایت تک کچھ وحی نہیں ہوتی۔ اور بسا اوقات ان کی بعض پیشگوئیاں ابتلا کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور عوام پر ان کا صدق نہیں کھلتا۔ اور بسا اوقات ان کے مقصود کے حصول میں بہت کچھ توقف پڑ جاتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ دنیا میں متروک اور مخدول اور ملعون اور مردود کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص جو ان کو گالی دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ گویا میں بڑا ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور ہر ایک اُن سے



نفرت کرتا اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ سلام کا بھی جواب دے۔ لیکن ایسے وقتوں میں ان کا غم آزا یا جاتا ہے وہ ہرگز ان آزمائشوں سے بے دل نہیں ہوتے اور نہ اپنے کام میں سست ہوتے ہیں یہاں تک کہ نصرت الہی کا وقت آ جاتا ہے۔

**پانچویں** قوت اقبال علی اللہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہے۔ اور اقبال علی اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت اور نیز اس وقت کہ جب سخت دشمن سے مقابلہ آپڑے۔ اور کسی نشان کا مطالبہ ہو اور یا کسی فتح کی ضرورت ہو اور یا کسی کی ہمدردی و اجبات سے ہو خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اور پھر ایسے جھکتے ہیں کہ ان کے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لاینفک سے بھری ہوئی دعاؤں سے ملا، اعلیٰ میں ایک شور مچا جاتا ہے اور ان کی محویت کے تضرعات سے آسمانوں میں ایک دردناک غلغلہ پیدا ہو کر ملائکہ میں اضطراب ڈالتا ہے پھر جس طرح شدت کی گرمی کی انتہاء کے بعد برسات کی ابتداء میں آسمان پر بادل نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اقبال علی اللہ کی حرارت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سخت توجہ کی گرمی آسمان پر کچھ بنانا شروع کر دیتی ہے۔ اور تقدیریں بدلتی ہیں۔ اور الہی ارادے اور رنگ پکڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ قضا و قدر کی ٹھنڈی ہوائیں صحنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح تپ کا مادہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر مسلسل کی ذوالہی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہی اس مادہ کو باہر نکالتی ہے۔ ایسا ہی مردان خدا کے اقبال علی اللہ کی تاثیر ہوتی ہے

آن دعائے شیخ نے چوں ہر دعا ست

قانی است و دست از دست خدا ست



اور امام الزمان کا قبلی علی رضی اللہ عنہ اس کی قہر الی اللہ تمام اویہ اللہ کی نسبت زیادہ ترقیز اور سرایع الہیہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کا امام الزمان تھا اور بلعم اپنے وقت کا ولی تھا جس کو خدا تعالیٰ سے مکالمہ اور محو طیب نصیب تھا۔ اور نیز مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب موسیٰ سے بلعم کا مقابلہ آپڑا تو وہ مقابلہ اس طرح بلعم کو ہلاک کر گیا کہ جس طرح ایک تیز تلوار ایک دم میں سر کو بدن سے جدا کر دیتی ہے۔

اور بد بخت بلعم کو چونکہ اس فلاسفی کی خبر نہ تھی کہ گو خدا تعالیٰ کسی سے مکالمہ کرے۔ اور اس کو اپنا پیارا اور برگزیدہ ٹھہراوے۔ مگر وہ جو شخص کے پانی میں اس سے ربط نہ کرے جب اس شخص سے اس کا مقابلہ ہو گا تو بیشک یہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس وقت کوئی امام کام نہیں دیگا۔ اور نہ مستجاب الدعوات ہونا کچھ مدد دیگا۔ اور یہ تو ایک بلعم تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسی طرح مزاروں بلعم ہلاک ہوئے جیسا کہ یہودیوں کے راہب عیسائی دین کے مرنیکے بعد کثرت ایسے ہی تھے۔

**چھٹے** کثوف اور المامات کا سلسلہ ہے جو امام الزمان کے لئے فخری ہوتا ہے۔

امام الزمان اکثر بذریعہ المامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے اور اس کے المامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کیفیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے ربط کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں۔ اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں۔ اور دینی عقیدے اور محضلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو محض لہت قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔



غرض جو لوگ امام الزمان ہوں ان کے کثوفت اور امام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتے بلکہ نصرت دین اور تقویت ایمان کیلئے نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ان سے نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور ان کی دعا کا جواب دیتا ہے۔ اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے عطا اور نذیر اور فصیح امام کے پیروں میں شروع ہوتا ہے کہ صاحب امام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔

اور امام الزمان کا ایسا امام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک کلہاڑی انداز پر شاہ ایک کلہاڑی پھینک جائے اور بھاگ جائے۔ اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ اور کسی قدر پر وہ اپنے پاک اور روشن چہرہ پر سے جو نور منس ہے تیار دیتا ہے۔ اور کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی بلکہ وہ تو بسا اوقات اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں کہ گویا اُن سے کوئی ٹٹٹھا کر رہا ہے۔

اور امام الزمان کی امامی پسینگیوں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتی ہیں۔ جیسا کہ چابک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے۔ اور یہ قوت اور انکشاف اس لئے ان کے امام کو دیا جاتا ہے کہ تا ان کے پاک امام شیطانی الامامات سے مستنبہ نہ ہوں۔ اور تا دوسروں پر حجت ہو سکیں۔

واضح ہو کہ شیطانی الامامات ہونا حق ہے۔ اور بعض ترسم سالک بوگوں کو ہو کر رہتے ہیں۔ اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جس کو اشغافات اہلام



کہتے ہیں۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک انسان کا تزکیہ نفس پورے اور کمال طور پر نہ ہو تب تک اس کو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔ اور وہ آیت عَلٰیٰ کُلِّ اَرِشٍ رَّکْعَہٗ نِیچے آ سکتا ہے مگر پاکوں کو شیطانی وسوسہ پر بلا وقت مطلق کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ بعض پادری عاصیان نے اپنی تصنیفات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اس واقعہ کی تفسیر میں کہ جب انکو ایک پہاڑی پر شیطان لے گیا اسقدر جرات کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کوئی خارجی بات نہ تھی جس کو دنیا دیکھتی اور جس کو یہودی بھی مشاہدہ کرتے بلکہ یہ تین مرتبہ شیطانی الہام حضرت مسیح کو ہوا تھا جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔

مگر انہیں کی ایسی تفسیر ٹھنٹے ہمارا تو بدن کا پتا ہے کہ مسیح اور پھر شیطانی الہام، ہاں اگر اس شیطانی گفتگو کو شیطانی الہام نہ مانیں اور یہ خیال کریں کہ درحقیقت شیطان نے مجسم ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تھی۔ تو یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیطان نے جو پرانا سائبوری فی الحقیقت اپنے تئیں جسمانی صورت میں ظاہر کیا تھا اور جو خارجی کے ساتھ آدمی بن کر یہودیوں کے ایسے متبرک معبد کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا جس کے ارد گرد عسکری آدمی رہتے تھے تو ضرور تھا کہ اس کے دیکھنے کے لئے ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے۔ بلکہ چاہے تھا کہ حضرت مسیحؑ آواز مار کر یہودیوں کو شیطان دکھلا دیتے جس کے وجود کے کئی فرقے منکر تھے اور شیطان کا دکھلا دینا حضرت مسیح کا ایک نشان ٹھہرتا جس سے بہت آدمی ہدایت پاتے۔ اور رومی سلسلہ کے معزز مجددہ دار شیطان کو دیکھ کر اور پھر اس کو پردہ اڑا کر دیکھتے ہوئے مشاہدہ



کر کے ہزار حضرت مسیح کے پیرو ہو جاتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ کوئی روحانی مکالمہ تھا جس کو دوسرے لفظوں میں شیطانی المام کہہ سکتے ہیں۔

مگر میرے خیال میں یہ بھی آتا ہے کہ یہودیوں کی کتابوں میں بہت سے شریر انسانوں کا نام بھی شیطان رکھا گیا ہے۔ چنانچہ، سی محاورہ کے لحاظ سے مسیح نے بھی ایک اپنے بزرگ جواری کو جس کو انجیل میں اس واقعہ کی تحریر سے چند سطر ہی پہلے بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں شیطان کہا ہے۔

پس یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ کوئی یہودی شیطان ٹھٹھے اور ہنسی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا ہو گا۔ اور آپ نے جیب کے نام شیطان رکھا اس کو بھی شیطان کہہ دیا ہو گا۔ اور یہودیوں میں اس قسم کی شرارتیں بھی تھیں۔ اور ایسے سوال کرنا یہودیوں کا خاصہ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہب قسم ہی جھوٹ ہو جو عمرؓ کا یہود کا کھانے سے لکھ دیا ہو کیونکہ یہ انجیلیں جو عزت مسیح کی انجیلیں نہیں ہیں اور مذاہن کی تصریق شدہ ہیں بلکہ جواریوں نے یا کسی اور نے اپنے خیال اور عقل کے موافق لکھی ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں یا یہی اختلاف بھی ہے۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ ان خیالات میں لکھنے والوں سے کچھ برائی جیب کے غلطی ہوئی کہ انجیل نویسوں میں سے بعض نے گمان کیا کہ گویا حضرت مسیح علیہ السلام پر قوت ہو گئے۔ ایسی غلطیاں جواریوں کی سرشت میں قہر کیونکہ انجیل میں خبر دیتی ہے کہ ان کی عقلیں باریک نہ تھیں۔ ان کے حالات یہ قسم کی خود حضرت مسیحؐ کو ہی دیتے ہیں۔ کہ وہ فہم اور دراست اور عملی قوت میں بھی کمزور تھے۔

بہنو! بسا اہل کی ہفت سی عجیبوں میں سے ایک انجیل ایک نگر پاس وہ بھی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؐ مسدب نہیں ہوئے۔ یہ بیان صحیح ہے کیونکہ ہم یہی اس کی تصدیق کرتے ہیں جس کا ذکر وہ باعیموں نے کیا ہے۔



برہاں یہ سچ ہے کہ پاکوں کے دل میں شیطانی خیالی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی تیرتا ہوا سرسری دوسوسہ ان کے دل کے نزدیک آ بھی جائے تو جلد ترودہ شیطانی خیال دور اور دفعہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کے پاک دامن پر کوئی داغ نہیں لگتا۔

قرآن شریف میں اس قسم کے دوسوسہ کو جو ایک کم رنگ اور ناپختہ خیال سے مشابہ ہوتا ہے طائف کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور لغت عرب میں اس کا نام طائف اور طوف اور طیف اور طیف بھی ہے۔ اور اس دوسوسہ کا دل سے نہایت ہی کم تعلق ہوتا ہے۔ گویا نہیں ہوتا۔ یا یوں کہو کہ جیسا کہ دور سے کسی درخت کا سایہ بہت ہی خفیف سا پڑتا ہے ایسا ہی یہ دوسوسہ ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ شیطان لعین نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دل میں اسی قسم کے خفیف دوسوسہ کے ڈالنے کا ارادہ کیا ہو۔ اور انہوں نے قوت نبوت سے اس دوسوسہ کو دفع کر دیا ہو۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ اس مجبوری سے بڑا ہے کہ یہ قصہ صرف انجیلوں میں ہی نہیں ہے بلکہ ہماری احادیث معجمہ میں بھی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

عن محمد بن عمران الصیرفی قال حدثنا الحسن بن علیل العنزی عن العباس بن عبد الواحد عن محمد بن عمرو عن محمد بن مناذر عن سفیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابی ہریرۃ قال جاء الشیطان الی عیسیٰ قال الست تزعم انک صادق؟ قال بلی۔ قال فاوت علی هذه الشاهقة فالتق نفسك منها۔ فقال ویلک الم یقل الله یا ابن آدم لا تبلی بملاکک فانی افعل ما اشاء۔ یعنی محمد بن عمران صیرفی سے روایت ہے۔ اور انہوں نے حسن بن علی بن عنزی سے روایت کی۔ اور حسن نے عباس سے اور عباس نے محمد بن عمرو سے



اور محمد بن عمرو نے محمد بن متاؤر سے۔ اور محمد بن متاؤر نے سفیان بن عیینہ سے۔ اور سفیان نے عمرو بن دینار سے۔ اور عمرو بن دینار نے طاؤس سے۔ اور طاؤس نے ابی ہریرہ سے کہ شیطان حضرت عیسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ کیا تو گمان نہیں کرتا کہ تو سچا ہے؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ شیطان نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو اس پہاڑ پر چڑھ جا اور پھر اس پر سے اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ حضرت عیسیٰ نے کہا کہ تجھ پر داؤد بلا ہو۔ کیا تو نہیں جانتا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی موت کے ساتھ میرا امتقان نہ کر۔ کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ شیطان ایسی طرز سے آیا ہو گا جیسا کہ جبرائیل پیغمبروں کے پاس آتا ہے کیونکہ جبرائیل ایسا تو نہیں آتا جیسا کہ انسان کسی گاڑی میں بیٹھ کر یا کسی کرایہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اور پگڑی باندھ کر اور چادر اوڑھ کر آتا ہے۔ بلکہ اس کا آنا دلہنائی کے رنگ میں ہوتا ہے۔ پھر شیطان جو کمتر اور ذلیل تر ہے کیونکہ انسانی طور پر کھٹے کھٹے طور سے آ سکتا ہے؟

اس تحقیق سے ہر حال اس بات کو ماننا پڑتا ہے جو ڈرپر نے بیان کی ہے  
لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوت نبوت اور نور حقیقت کے ساتھ  
شیطانی القاد کو ہرگز ہرگز نزدیک آنے نہیں دیا۔ اور اس کے ذب اور دفع  
میں فوراً مشغول ہو گئے۔ اور جس طرح نور کے مقابل پر ظلمت ٹھہر نہیں سکتی اسی طرح  
شیطان ان کے مقابل پر ٹھہر نہیں سکا اور بھاگ گیا۔ یہی اِنَّ عِبَادِيْ كَيْفَ  
لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ کے صحیح معنے ہیں۔ کیونکہ شیطان کا سلطان یعنی  
تسلط درحقیقت اُن پر ہے جو شیطانی وسوسہ اور الہام کو قبول کر لیتے  
ہیں۔ لیکن جو لوگ دُور سے نور کے تیر سے شیطان کو مجروح کرتے ہیں۔  
اور اس کے منہ پر زہر اور توہین کا جوتا مالتے ہیں۔ اور اپنے منہ سے وہ



کچھ کہے جائے اس کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ شیطانی تسلط سے مستثنیٰ ہیں۔ مگر چونکہ ان کو خدا تعالیٰ ملکوت السماوات والارض دکھانا چاہتا ہے۔ اور شیطان ملکوت الارض میں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ مخلوقات کے مشاہدہ کا دائرہ پورا کرنے کے لئے اس عجیب الخلقیت و جود کا چہرہ دیکھ لیں۔ اور کلام سن لیں۔ جس کا نام شیطان ہے اس سے ان کے دامن تنزہ اور عصمت کو کوئی داغ نہیں لگتا۔ حضرت مسیحؑ سے شیطان نے اپنے قدیم طریقہ و سوسہ اندازی کے طرز پر ایک شرارت سے ایک درخواست کی تھی یسوع کی پاک طبیعت نے فی الفور اس کو رد کیا۔ اور قبول نہ کیا۔ اس میں ان کی کوئی بکسرشان نہیں۔ کیا بادشاہوں کے حضور میں کبھی بد معاش کلام نہیں کرتے؟ سو ایسا ہی روحانی طور سے شیطان نے یسوع کے دل میں اپنا کلام ڈالا۔ یسوع نے اس شیطانی الہام کو نبیوں نہ کیا بلکہ رد کیا۔ سو یہ تو قابل تعریف بات ہوئی اس سے کہ نہ نکتہ چینی کرنا حماقت اور روحانی فلاسفی کی بے خبری ہے۔ لیکن جیسا کہ یسوع نے اپنے نور کے مازیانہ سے شیطانی خیال کو دفع کیا۔ اور اس کے الہام کی پلیدی فی الفور ظاہر کر دی۔ ہر ایک زاہد اور صوفی کا یہ کام نہیں۔

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیطانی الہام مجھے بھی ہوا تھا۔ شیطان نے کہا کہ اے عبدالقادر تیری عبادتیں قبول ہوئیں۔ اب جو کچھ وہ سرزں پر حرام ہے تیرے پر حلال۔ اور تمہارے بھی اب تجھے فراغت ہے جو چاہے کر۔ تب میں نے کہا کہ اے شیطان ڈر ہو۔ وہ باتیں میرے لئے کب روا ہو سکتی ہیں جو نبی علیہ السلام پر روا



نہیں ہوئیں۔ تب شیطان مع اپنے سنہری تخت کے میری آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا۔

اب جبکہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ مردِ قزو کو شیطانی الہام ہوا تو دوسرے سامعہ اناس جنہوں نے ابھی اپنا سلوک بھی تمام نہیں کیا وہ کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں۔ اور ان کو وہ نورانی آنکھیں کہاں حاصل ہیں تا سید عبدالقادر اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح شیطانی الہام کو شناخت کر لیں۔

باد ہے کہ وہ کابین جو عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے۔ ان لوگوں کو بکثرت شیطانی الہام ہوتے تھے اور بعض وقت وہ پیش گوئیاں بھی الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے اور تعجب یہ کہ ان کی بعض پیش گوئیاں سچی بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسلامی کتابیں ان رسول سے بھری پڑی ہیں۔ پس جو شخص شیہانی الہام کا منکر ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیموں کا انکاری ہے اور نبوت کے تمام حلد کا منکر ہے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو بی کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ اور انہوں نے الہام کے ذریعہ سے جو ایک سفید جس کا کرتب تھا ایک بادشاہ کی فتح کی پیش گوئی کی۔ آخر وہ بادشاہ بڑی ذلت سے، سیڑھانی میں مار گیا اور بڑی شکست ہوئی۔ اور ایک پیغمبر جس کو حضرت جبرائیل سے الہام ہوتا تھا اس نے یہی خبر دی تھی کہ بادشاہ مارا جائے گا اور کشتہ اس کا گوشت کھا جائے گا۔ اور بڑی شکست ہوگی۔ سو یہ خبر سچی نکلی مگر اس چار سو بنی کی پیش گوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔

اس بلکہ طبقاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ اس کثرت سے شیطانی الہام



بھی ہوتے ہیں تو پھر امام سے امان اٹھتا ہے۔ اور کوئی امام بھروسہ کے لائق نہیں ٹھہرتا کیونکہ احتمال ہے کہ شیطان ہو۔ خاکر جبکہ مسیح جیسے اولوالعزم نبی کو بھی یہی واقعہ پیش آیا تو پھر اس سے تو ظہموں کی کمر ٹوٹتی ہے تو امام کیا ایک بلا ہو جاتی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیدل ہونے کا کوئی محل نہیں۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانون قدرت یہاں واقع ہوا ہے کہ ہر ایک عمر، جو ہر گناہ ساتھ معشوش چیز میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھو ایک تو وہ موتی ہیں جو دریا سے نکلتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کستے موتی ہیں جو لوگ آپ بنا کر بیچتے ہیں۔ اب اس خیال سے کہ دنیا میں جھوٹے موتی بھی ہیں سچے موتیوں کی خرید و فروخت بند نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جو ہری جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دی ہر ایک ہی نظر سے پہچان جاتے ہیں کہ یہ سچی اور یہ جھوٹا ہے۔ سو امامی جو اہرات کا جوہری امام الزمان ہوتا ہے۔ اس کی صحبت میں رہ کر انسان جلد اہل اور مسنونہ میں فرق کر سکتا ہے۔

اے صوفیو! اور اس ہوس کے گرفتار و بالذرا پوش سنبھال کر اس راہ میں قدم رکھو۔ اور خوب یاد رکھو کہ سچا امام جو خالص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونا ہے مندرجہ ذیل علامتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے:-

(۱) وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ جب کہ انسان کا دل آتش درجے گداڑ ہو کر منصف پانی کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرف حدیث کا اشارہ ہے کہ قسراں غم کی حالت میں نازل ہوا۔ لہذا تم بھی اسکو غمناک دل کے ساتھ پڑھو۔

(۲) سچا امام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے اور



نامعلوم وجہ سے یقین بخت ہے۔ اور ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر  
دھنس جاتا ہے۔ اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(۳) سچے امام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے اور دل پر اس سے  
مضبوط ٹھوکر لگتی ہے۔ اور قوت اور رہنماک آواز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا  
ہے۔ مگر چھوٹے امام میں چوروں اور خنثیوں اور عورتوں کی سی جھیمی آواز  
ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان چور اور مخنث اور عورت ہے۔

(۴) سچا امام خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ضرور  
ہے کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں اور وہ پوری بھی ہو جائیں۔

(۵) سچا امام انسان کو دن بدن نیک بناتا ہے۔ اور اندرونی کثافتیں اور  
غلاظتیں پاک کرتا ہے۔ اور اخلاقی حالتوں کو ترقی دیتا ہے۔

(۶) سچے امام پر انسان کی تمام اندرونی قوانین گواہ ہو جاتی ہیں۔ اور  
ہر ایک قوت پر ایک سی اور پاک روشنی پڑتی ہے۔ اور انسان اپنے اندر  
ایک تبدیلی پاتا ہے اور اس کی پہلی زندگی مر جاتی ہے اور نئی زندگی شروع  
ہوتی ہے۔ اور وہ بنی نوع کی ایک عام ہمدردی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۷) سچا امام ایک سی آواز پر ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا کی آواز ایک  
سلسلہ رکھتی ہے۔ وہ نہایت ہی صمیم ہے۔ جس کی طرف توجہ کرتا ہے اس سے  
مکالمہ کرتا ہے اور سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اور ایک ہی مکان اور  
ایک ہی وقت میں انسان اپنے معروضات کا جواب پاسکتا ہے۔ گو اس  
مکان پر کبھی فترت کا زمانہ بھی آجاتا ہے۔

(۸) سچے امام کا انسان کبھی بزدلی نہیں ہوتا۔ اور کبھی مدعی امام کے  
مقابلہ سے اگرچہ وہ کیسا ہی مخنث ہو نہیں ڈرتا۔ جانتا ہے کہ میرے ساتھ



خدا ہے اور وہ اس کو ذلت کے ساتھ شکست دے گا۔

(۹) سچا امام اکثر علوم اور معارف کے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ خدا اپنے علم کو بے علم اور جاہل رکھنا نہیں چاہتا۔

(۱۰) سچے امام کے ساتھ اور بھی بہت سی برکتیں ہوتی ہیں۔ اور کلیم اللہ کو بغیر عزت دی جاتی ہے اور رغب عطا کیا جاتا ہے۔

آج کل کا ایک ایسا ناقص زمانہ ہے کہ اکثر فلسفی طبع اور منجری اور برہمہ اس امام سے منکر ہیں۔ اسی انکار میں کئی اس دنیا سے گزر بھی گئے۔ لیکن اصل امر یہ ہے کہ سچائی سچائی ہے گو تمام جہان اس کا انکار کرے۔ اور جھوٹ جھوٹ ہے گو تمام دنیا اس کی مصدق ہو۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے اور اس کو مدبر عالم خیال کرتے ہیں۔ اور اس کو بغیر اور سمیع اور علیم جانتے ہیں۔ ان کی یہ حماقت ہے کہ اس قدر اقراروں کے بعد پھر خدا تعالیٰ کے کلام سے منکر رہیں۔ کیا جو دیکھتا ہے، جانتا ہے۔ اور بغیر ذریعہ جسمانی اسباب کے اس کا علم ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ وہ بول نہیں سکتا۔ اور یہ کتاب بھی غلطی ہے کہ اس کی قوت گویائی پہلے تو تھی اور اب بند ہو گئی گویا اس کی صفت کلام آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ لیکن ایسا کنا بردی زمیری دیتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی عفتیں بھی کسی زمانہ تک چل کر بھر مفقود ہو جاتی ہیں اور کچھ بھی ان کا نشان باقی نہیں رہتا۔ تو پھر باقی مادہ عفتوں میں بھی جلسے اندیشہ ہے۔ افسوس ایسی عفتوں اور ایسے اعتقادوں پر کہ جو خدا تعالیٰ کی تمام صفات مان کر پھر حجیری یا قد میں لے بیٹھتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ضروری حقہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔

بہی نوع انسان کا ایمان۔ زد رکھنے کے لئے تازہ الامامت کی ہمیشہ ضرورت



ہے۔ اور وہ الہامات اقتداری قوت سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے سور کسی شیطان۔ جن۔ بھوت میں اقتداری قوت نہیں ہے۔ اور امام الزمان کے الہام سے باقی الہامات کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام الزمان اپنی جبلت میں قوت امامت رکھتا ہے۔ اور دست قدرت نے اس کے اندر پیش روی کا خاتمہ پھونکا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ کہ وہ انسانوں کو مستغرق طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ جیسا کہ اُس نے نظام شمسی میں بہت سے ستاروں کو داخل کر کے سورج کو اس نظام کی بادشاہی بخشی ہے۔ ایسا ہی وہ عام مومنوں کو ستاروں کی طرح حسب مراتب روشنی بخش کر امام الزمان کو ان کا سورج قرار دیتا ہے۔ اور یہ سنت الہی یہاں تک اس کی آفرینش میں پائی جاتی ہے کہ شہد کی مکھیموں میں بھی یہ نظام موجود ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے جو عیوب کھلاتا ہے۔ اور جسمانی سلطنت میں بھی یہی خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو۔

اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے جو تفرقہ پسند کرتے ہیں۔ اور ایک امیر کے تحت خدمت نہیں چلتے۔ حالانکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔

اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف ہے نہ ہو اور اس سے نہ ہمیں فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔

قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر حکم ہو کر چلیں۔ یہی تاکید روحانی تمدن کیلئے بھی ہے



اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھاتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ  
الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ پس سوچنا چاہئے کہ یوں  
تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی  
نہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا  
ہے۔ لہذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمت  
روحانی کی بارش ہوئی ہے ان کی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہتا ہوں ان کی  
پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ  
ہو جاؤ۔

یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی۔ رسول۔ محدث۔ مجدد  
سب داخل ہیں۔ مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور  
نہیں ہوئے۔ اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے۔ وہ گویا ہوں یا ابدال  
ہوں امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔

اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزمان کون ہے؟  
جس کی پیروی تمام مسلمانوں اور زاپدوں اور خواہش بینوں اور  
معمیوں کو کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ سو میں اس  
وقت بے غور و فکر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے وہ

## امام الزمان میں ہوں

اور مجھ میں خدا تعالیٰ نے وہ تمام علامتیں اور تمام شرطیں جمع کی ہیں۔ اور  
اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ جس میں سے پندرہ  
برس گزر بھی گئے۔ اور ایسے وقت میں میں ظاہر ہوا ہوں کہ جبکہ اسلامی



عقیدے اختلافات سے بھر گئے تھے۔ اور کوئی عقیدہ اختلاف سے  
خالی نہ تھا۔

ایسا ہی مسیح کے نزول کے بارہ میں نہایت غلط خیال پھیل گئے تھے۔  
اور اس عقیدہ میں بھی اختلاف کا یہ حال تھا کہ کوئی حضرت عیسیٰؑ کی  
حیات کا قائل تھا اور کوئی موت کا اور کوئی جسمانی نزول مانتا تھا اور  
کوئی بروزی نزول کا معتقد تھا۔ اور کوئی دمشق میں ان کو اتار رہا تھا  
اور کوئی مکہ میں۔ اور کوئی بیت المقدس میں اور کوئی اسلامی شہر میں۔  
اور کوئی خیال کرتا تھا کہ ہندوستان میں اتریں گے۔ پس یہ تمام مختلف  
رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے۔ سو  
وہ حکم میں ہوں۔ میں ژوہانی طور پر کس صلیب کے لئے اور نیز  
اختلافات کے دور کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

انہی دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ میرے لئے ضروری  
نہیں تھا کہ میں اپنی حقیقت کی کوئی اور دلیل پیش کروں۔ کیونکہ ضرورت خود  
دلیل ہے۔ لیکن پھر بھی میری تائید میں خدا تعالیٰ نے کئی نشان ظاہر  
کئے ہیں۔

اور میں جیسا کہ اختلافات میں فیصلہ کرنے کے لئے حکم ہوں۔  
ایسا ہی وفات حیات کے جھگڑے میں بھی حکم ہوں۔ اور میں امام  
مالک اور ابن حزم اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارہ میں  
عمیم قرار دیتا ہوں۔ اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب  
سمجھتا ہوں۔ سو میں بحیثیت حکم ہونے کے ان جھگڑا کرنے والوں  
میں یہ حکم صادر کرتا ہوں کہ :-



نزول کے اجمالی معنوں میں یہ گروہ اہل سنت کا سچا ہے۔ کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا۔ ہاں نزول کی کیفیت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ نزول صفت بروزی تھا نہ کہ حقیقی۔ اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہم کلام ان کے سچے ہیں۔ کیونکہ بموجب نص صریح آیت کریمہ یعنی آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پانا ضروری تھا۔

یہ میری طرف سے بطور حکم کے فیصلہ ہے۔ اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اس کو قبول نہیں کرتا جس نے مجھے حکم مقرر فرمایا ہے۔

اگر یہ سوال پیش ہو کہ تمہارے حکم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جس زمانہ کے لئے حکم آنا چاہئے تھا وہ زمانہ موجود ہے اور جس قوم کی عیسوی غلطیوں کی حکم نے اصلاح کرنی تھی وہ قوم موجود ہے اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دینی تھی وہ نشان تلور میں آچکے ہیں اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے زمین نشان ظاہر کر رہی ہے۔ اور مبارک وہ جنگی آنکھیں اب بند نہ رہیں میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے نشانوں پر ہی ایمان لاؤ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر میں حکم نہیں ہوں تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں۔ اور سب بحثیں نکلتی ہیں۔ صرف حکم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے جس کو میں پورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں :-



۱۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے نفل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان  
دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

۱۲) میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا  
ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

۱۳) میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس  
کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے  
قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔

۱۴) میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ  
کر سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کی طرح پوری ہوئیں۔

آسماں بار د نشان الوقت یگوید زمین

ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

مدت ہوئی کسبوت خسوف رمضان میں ہو گیا۔ حج بھی بند ہوا۔ اور بوجوب حدیث

کے طاعون بھی ملک میں پھیلی اور بہت سے نشان مجھ سے ظاہر ہوئے جس کے

صد ہا ہندو اور مسلمان گواہ ہیں جن کو میں نے ذکر نہیں کیا۔ ان تمام دہودے

میں امام الزمان ہوں۔ اور خدا میری تائید میں ہے۔ اور وہ میرے لئے

ایک تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ جو شرارت سے

میرے مقابل پر کھڑا ہو گا وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائے گا۔

دیکھو! میں نے وہ حکم پہنچا دیا جو میرے ذمہ تھا۔

یہی حقیقت بیعت کی سو وہ یہ ہو کہ بیعت کا نسخہ بیع سے مشتق ہو اور بیع اس باہمی رضا مندی

کے معاہدہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں بچاتی ہو۔ بیعت سے غرض یہ ہو کہ بیعت



کرنی والا اپنے نفس کو مع اس کے تمام لوازم کے ایک لہر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے کہ تا اس کے عوض میں وہ معارف حقہ اور برکات کاملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالیٰ ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ بیعت سے صرف تو بہ منظور نہیں کیونکہ ایسی تو بہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی تو بہ کی طرف کھینچتے ہیں۔

بیعت سے عمل مدعا یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے رہبر کی غلامی میں دیکر وہ علوم اور معارف اور برکات اس کے عوض میں لیوے جن سے ایمان قوی ہو اور معرفت بڑھے اور خدا تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا ہو۔ اور اسی طرح دنیوی جہنم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے نکلے۔ صواب ہو۔ اور دنیوی نایمانی سے شفا پا کر آخرت کی نایمانی سے بھی امن حاصل ہو۔ یہ اگر اس بیعت کے ثمرہ دینے کا کوئی مزد ہو تو سخت بد ذاتی ہوگی۔ کہ کوئی شخص دانستہ اس سے اعراض کرے۔

میں تقارہ کی آواز سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ سب بطور نشان امامت ہے جو شخص اس نشان امامت کو دکھلائے اور ثابت کرے کہ وہ فضاہی میں مجھ سے بڑھ کر ہے۔ میں اس کو دست بیعت دینے کو تیار ہوں۔ مگر خدا کے وعدوں میں تبدیل نہیں۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آج سے قریباً بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ المام درج ہے :-

الرَّحْمَنُ - عَلَّمَ الْقُرْآنَ - لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتُوا بَأَاءَهُمْ دَلِيلُ تَشْبِيهِ  
سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ - قُلْ إِنِّي أَنَا آدِلُ الْمُؤْمِنِينَ -

اس المام کے رُٹے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اول المؤمنین لکھا اور مجھے مہندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے اور مجھے بار بار المام دیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الہی اور کوئی محبت الہی تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں! جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا۔ عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا۔ اور اب مجھ کو اللہ کے نیچے ہے۔